''سندھ میں اقبال فہمی''

ڈاکٹر محمد یوسف خشک

Abstract

The present paper looks at the perceptions of Iqbal's work among Sindhi mystic poets by analyzing the common themes in their poetry. After documenting examples of influences of the teachings of the prophet Mohd, the Koran and Maulana Rumi, these have been traced back and linked with Iqbal's poetry. Owing to Iqbals active participation poetically and socially, in the Pakistan Movement, modern Sindhi poets have also imbibed this spirit. These include kishen chand, Haider Bakhsh Jatoi, Shiekh Ayaz whose work has been particularly cited here. Moreover the paper also throws a cursory glance at criticism on Iqbal.

انسان میں دیگر مخلوقات کے مقابلے میں متاثر ہونے کی صلاحیت زیادہ پائی جاتی ہے۔اس سلسلے میں اگر ہم اپنی ذات پر ہی سنجیدگی سے غور کریں اور پرانی یادوں کو دوبارہ ذہن کی اسکرین پر لا کر دیکھنے کی کوشش کریں تو معلوم ہوگا کہ ہمارا اوڑھنا بچھونا، اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، بولنا پہننا اور خیالات بھی کسی حد تک دوسروں سے متاثر ہیں ہمارے برتاؤ کے نت نئے طریقے بھی کسی روایتی اساس پر کھڑے ہیں اور انہیں بھی کسی دوسرے ہی کو دیکھ کر اختیار کیا ہے۔ متاثر ہونے کی صلاحیت کی اہمیت کا اندازہ آپ نئے انسان کی شروعاتی زندگی کے تمام مراحل کو سامنے رکھتے ہوئے بخوبی لگا سکتے ہیں کیونکہ بچپن میں جس تیز رفتاری سے متاثر ہونے کا رجحان پایا جاتا ہے آگے چل کر کم ہوتا رہتا ہے لیکن یہ کہنا کہ متاثر ہونے کا جذبہ کسی انسان میں موجود نہیں ہوتا سراسر غلط ہوگا، بچپن سے لے کر جوانی تک جوانی سے بڑھاپے تک ہم اپنی متاثر ہونے کی صلاحیت کو مختلف اشکال دیتے رہتے ہیں، کہیں یہ جذبہ ٹھہر جاتا ہے کہیں تیز رفتار، بہرحال یہ تمام عمر جاری وساری رہتا ہے۔اسی طرح ادیب یا شاعر بھی کوئی آسمانی مخلوق نہیں اس معاشرے کا فرد ہوتا ہے اس لیے اپنی ذہنی صلاحیتوں اور ذوق کی مناسبت سے اس کے یہاں بھی یہ عمل جاری وساری رہتا ہے۔

حسّاس ادیب اور فن کار نئی تبدیلیوں کا فوری اثر قبول کرتے ہیں اور بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دے کر نئے خیالات وافکار کی شمعیں روشن کر کے آگے کی طرف بڑھتے جاتے ہیں اس سے نہ صرف سوچنے اور سمجھنے کے انداز وموضوع تبدیل ہوتے جاتے ہیں بلکہ اظہار کے طریقے بھی بدل جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ ادب

کے ارتقاوعروج میں یہی حقیقت لاگو ملتی ہے۔جس طرح فارسی ادب عربی ادب سے یا انگریزی ادب فرانسیسی ادب سے متاثر ہوا، اسی طرح اُردو سندھی ادب فارسی، عربی، انگریزی، سنسکرتی، بنگالی، روسی، جاپانی و دیگر زبانوں کے ادب سے متاثر ہونے کے ساتھ مجموعی طور پر ایک دوسرے سے بھی متاثر ہوئے ہیں۔لیکن آج ہمارا موضوع سال اقبال کی مناسبت سے''سندھ میں اقبال فہمی''ہے،اس لیے ہم اسے اسی حد تک محدود رکھیں گے۔

سندھ میں اقبال فہمی کی ابتدائی وجوہات جو اقبال کے لیے یہاں کا ماحول پہلے سے سازگار کیے ہوئے تھیں اُن میں سندھ کے نامور شعرا شاہ عبداللطیف بھٹائی، سچل سرمست اور علامہ اقبال کے خیالات میں کسی حد تک ہم آہنگی ہونا بھی ہے۔داخلی اور خارجی شہادتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان شخصیتوں کا مطالعہ کیا جائے تو دونوں شعراء(شاہ لطیف اور علامہ اقبال) کی تعلیم پر رسولِ عربیؐ،قرآن شریف اور مثنوی روم کا گہرا اثر ہے مثلاً چند داخلی شہادتیں ملاحظہ ہوں:

حضرت محمد صلعم کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے شاہ لطیفؒ لکھتے ہیں:

وحــــده لا شــــريڪ لـــــــه جڏهـــن چيـــو جـــن
تن مڃيو مـــحـــمـــد ڪارڻي هيـــجـــان ســـاٽ هـــنيـــن
تڏهـــن مـــــنـــــجهـــــان تن اوتڙڪو نه او ليـــو

ترجمہ:
جنھوں نے دل سے اُس یکتا کو مانا
محمدؐ کو بصد اخلاص جانا
نہ اُن کو کوئی گمراہی کا خطرہ
نہ اُن سے دُور ہے اُن کا ٹھکانہ

یعنی گمراہی سے بچنے اور ہدایت حاصل کرنے کے لیے آپ نے حضور صلعم کی تعلیم کو سمجھنا و ماننا ضروری قرار دیا ہے۔

اسی سلسلے میں علامہ اقبال لکھتے ہیں:

بمصطفیٰ برَساں خویش را کہ دین ہمہ اُوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی ست
مقامِ خویش گر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہِ مصطفیؐ گیر

اسی طرح دونوں شعرا کرام نے قرآنِ پاک کو حکمت کا مخزن اور اسم اعظم کا منبع قرار دیا ہے۔ شاہ لطیفؒ فرماتے ہیں:

فکر سين فرقان ؐ، اسم اعظم ڏور
پيادر وجي نہ ووڙ، اي امل ايائين سپجي

اسمِ اعظم ہو یا ہو ذکرِ جلی
ترجمہ: ہے بہرطور ایک ہی مفہوم
جیسے ہوتا ہے سیپ میں موتی
ہے یونہی دل میں ذاتِ نامعلوم
غیر کے در سے کچھ نہ پائے گا
اس کے در سے جو ہو گیا محروم

تو اسی طرح علامہ اقبال بھی واضح فرماتے ہیں:

اگر تو سالکِ راہِ یقیں ہے — میرے اشعار میں پھنس کر نہ رہ جا
رہِ قرآں میں گام اوّلیں ہے — گزر جا تو مری بزمِ سخن سے
تو حاصل دولتِ دنیا و دیں ہے — جو تو اس طرح قرآن تک پہنچ جائے
نظر کی آخری منزل ہے قرآن — محیط کائناتِ دل ہے قرآن

اسی طرح شاہ لطیفؒ اور علامہ اقبال دونوں مولانا رومیؒ کی تعلیم سے مستفید ہوئے ہیں۔ جس کا اظہار بھی بذاتِ خود انھوں نے فرمایا ہے مثلاً شاہ لطیفؒ حقیقی دنیا کو دیکھنے اور دلبر کے دیدار کے متعلق جب گفتگو کرتے ہیں تو مولانا رومؒ کا حوالہ دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

طالب قصر سونهن سر، اِئ رومي جي رهاڻ
پهرين وجائي پان پوء پسن پرين کي

ترجمہ: دوستو! خوب دلنشین کر لو قول رومیؒ پیامِ راحت ہے
محو طالب فریب کثرت میں موجزن چشمۂ حقیقت ہے
ختم اپنے وجود کو کر دے گر طلبگارِ حسن وحدت ہے

علامہ اقبال بھی مولانا رومیؒ کے لیے جو عزت و عقیدت رکھتے ہیں اس کا اندازہ ان اشعار سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

پیرِ رومیؒ مرشدِ روشن ضمیر　　کاروانِ عشق و مستی را امیر
منزلش بر تر ز ماہ و آفتاب　　خیمہ را از کہکشاں ساز و طناب
نورِ قرآں درمیانِ سینہ اش　　جامِ جم شرمندہ از آئینہ اش
از نئے آں نے نوازِ پاک زاد　　باز شورے در نہادِ مَن فتاد

دونوں نے اپنے نقطہ نگاہ سے انسانی ذات کی ترقی اور اصلاح چاہی ہے۔انھوں نے قوموں کو بیدار کر کے اس میں روح پھونکنا چاہا ہے حالانکہ ان کا طریقہ کار علیحدہ تھا لیکن کافی نقطوں پر ہم آہنگی ہے مثلاً دونوں نے تمام قومی امراض کا علاج عشق قرار دیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ عشق کے بغیر انسان بے جان ہے۔شاہ لطیفؒ فرماتے ہیں:

جئان وهي تئان وات کپر پچن کوڙيون
جن کي سک ساهڙ جي، سي گهيڙ پڇن نہ گهات
جن کی عشق جی اُسات سيواهڙ پانئين وڪڙي
پاٽ م کٽج پاٽ سين، وسيلا وڃاء
عشق ساٽ اٺاء، پير پريان جي پار ڏي

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقر و دیں
عشق کے ادنیٰ غلام صاحبِ تاج و نگیں
عشق مکان مکین، عشق زمان و زمیں
عشق سراپا یقین اور یقین فتح باب

اسی طرح سچل سرمستؒ اور علامہ اقبال کے خیالات میں بھی یکسانیت پائی جاتی ہے، فلسفہ خودی کو ہی لے لیجئے۔

فلسفۂ خودی سچل سرمست: اگر اثبات کو جانو نہ ہرگز تم گدا ہو گا
یقین کر، نہ گداگر ہو لیکن خود خدا ہو گا

فلسفۂ خودی علامہ اقبال: خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

یکسانیت بیان کرنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ اس طرح کی یکسانیت کی بدولت سندھ کے لوگوں کی اپنائیت کے

دروازے علامہ اقبال کے لیے خود بخود کھلے ہوئے تھے۔

سندھ کے لوگوں کے راہنما و رہبروں کے پیغام و مقصد اور اقبال کے پیغام و مقصد میں اس طرح کی یکسانیت ہونے کی وجہ سے سندھ کے لوگوں کا اقبال کے کلام کو سمجھنا اور اس سے اپنائیت کی خوشبو محسوس کر کے سرور حاصل کرنا ایک فطری بات ہو جاتی ہے۔ جہاں تک سندھ میں اقبال فہمی کے اوّلین نشانات کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں تاریخ کے چند اوراق پلٹنے سے واضح گواہیاں مل جاتی ہیں، جن میں سے چند پیش خدمت ہیں مثلاً

اوّل: سندھ سے بمبئی کا الحاق اور کراچی سے لاہور تک ریلوے کی توسیع ایسے اہم واقعات تھے جن کی بدولت کراچی میں اُردو تعلیم شروع ہوئی جس کے بعد سندھ کے بڑے بڑے شہروں میں خاص طور پر جہاں ریلوے کی ورکشاپ تھیں وہاں اُردو تعلیم رائج ہوئی اور اُن اسکولوں کے اُردو نصاب میں بانگِ درا بھی پڑھائی جاتی تھی۔

دوم: سندھ سے کافی نوجوان جب مشرقی علوم کی تحصیل کے لیے دہلی اور لاہور جاتے تھے تو وہاں اقبال کی ان نظموں کا ذکر ہوتا تھا جو انجمن حمایتِ اسلام، لاہور کی سالانہ تقریبات میں پڑھی جاتی تھیں۔ اس طرح سندھ میں اقبال شناسی/فہمی کا آغاز ہوا لیکن بعد میں مسلمان راہنما کی حیثیت سے علامہ اقبال نے جو بلند کردار ادا کیا اس نے اسے سندھ میں زیادہ مقبول کیا۔ سندھ کو بمبئی سے علیحدہ ایک صوبے کی حیثیت حاصل کروانے میں جو ایک بڑی تحریک چلی جس میں دیگر مسلمان علماء کے ساتھ علامہ اقبال بھی شامل تھے۔ علامہ اقبال نے ۲۹ ردسمبر ۱۹۳۰ء کو الٰہ آباد مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے جو تقریر کی اس میں سندھ کو علیحدہ صوبے کی حیثیت دینے کے سلسلے میں انھوں نے پُر زور حمایت کی تھی اور علامہ اقبال نے سندھ کی علیحدگی کی تحریک کے حوالے سے اعلان کیا تھا کہ ہندوستان کے مسلمان ایسی تجاویز سے اتفاق نہیں کریں گے جن کے مطابق کم از کم سندھ کو علیحدہ صوبہ بنانے کی گنجائش نہ ہو۔

اس کے بعد دوران پاکستان تحریک جس میں سندھ کا ایک خاص اور اہم کردار رہا جس کی وجہ سے علامہ اقبالؒ

کا کلام سندھ میں عام ہو گیا کیونکہ علی گڑھ کے اساتذہ وطلبا اور ہندوستان کے بڑے بڑے سیاسی رہنما اپنی تقاریر و تحریروں میں اقبال کے کلام اور فکر کو وسیع انداز میں استعمال کیا کرتے تھے۔

جہاں تک خالص ادبی حلقے کا سوال ہے تو اقبال کے فکر و پیغام نے سندھ میں براہ راست کافی سندھی شعرا پر اپنا گہرا اثر چھوڑا ہے جو کہ اقبال فہمی کا منہ بولتا ثبوت ہے اور اس اثر کا اظہار سندھی شعرا نے بڑی فراخ دلی سے کیا ہے مثلاً فیض بخشاپوری اپنی کتاب ''خم خانہ فیض میں ''طلوع'' کے زیر عنوان صفحہ الف پر لکھتے ہیں:

''سندھی شعراء کرام کے علاوہ فارسی و اردو منتخب شعرا کے تصانیف کی ورق گردانی ونکتہ دانی کی گئی ہے سندھی میں بجز شاہ عبداللطیف بھٹائی سچل سرمست۔۔۔فارسی شعراء میں سے فردوسی، رودکی، خاقانی، رومی خسرو۔۔۔اور اردو شعراء کرام میں سے غالب، ذوق، میر وسودا، مومن و میر درد، آتش و ناسخ، انشا و داغ، حالی واکبر، اقبال و بیدم وارثی زیر مطالعہ رہے لیکن فارسی میں حافظ و خسرو و اردو میں غالب و اقبال، سرائیکی میں خواجہ غلام فرید اور بلوچی میں جام درک و مست توکلی کا کلام، بلاغتِ نظام سب سے زیادہ مرغوب رہے۔''

کشن چند بیوس (بے بس) تیرتھ داس ۱۸۸۵ء لاڑکانہ سندھ میں پیدا ہوئے، جدید سندھی شاعری میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ رنگِ اقبال سے متاثر تھے، رنگِ اقبال کے زیر اثر ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

<u>پرندے کی فریاد</u>

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ　　وہ باغ کی بہاریں وہ سب کا چہچہانا
آزادیاں کہاں وہ اب اپنے گھونسلے کی　　اپنی خوشی سے آنا اپنی خوشی سے جانا
لگتی ہے چوٹ دل پر آتا ہے یاد جس دم　　شبنم کے آنسوؤں پر کلیوں کا مسکرانا
وہ پیاری پیاری صورت وہ کامنی سی مورت　　آباد جس کے دم سے تھا میرا آشیانہ

آتی نہیں صدائیں اس کی مرے قفس میں
ہوتی مری رہائی اے کاش میرے بس میں

(علامہ اقبال)

پکي جي پڪار

تازو تري اچي ٿو دل تي اهو زمانو
جنهن ۾ اڏيو اجهو مون آزاد آشيانو
لامن تي لوڏ منهنجي، شاخن تي شاد مانو
غنچن تي ۽ گلن تي منهنجو هي خاص گانو
موجود ۽ ميسر هو سير آسماني
ڇهري مان ٿي خوشي جي نروار ٿي نشاني
سٺو صبح سمو مون گلزار ۾ گڏ گذاريو
مکڙين کي هير ايندي ٿي ننڊ مان اٿاريو
منهنجو اٿڻ اڏڻ هو پنهنجي وڏي ولر سان
خوش هوس پنهنجي پر ۾، گڏ گزاري گهر سان

(کشن چند بیوس)

حیدر بخش جتوئی ۱۹۰۱ء میں تحصیل ڈوکری ضلع لاڑکانہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۵ء میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدے سے استعفیٰ دے کر سندھ ہاری کمیٹی میں شمولیت اختیار کی۔ بابائے سندھ کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔ جن دنوں علامہ اقبال کی شکوہ کا چرچا تھا، حیدر بخش جتوئی بھی اس سے متاثر ہوئے اور خود ایک منظوم شکایت نامہ شکوہ کے عنوان سے شایع کیا جس میں بھی باری تعالیٰ سے سوال و جواب کیے گئے ہیں۔ مذہبی حلقوں نے سخت اعتراضات کیے۔ اس طرح علامہ اقبال پر بھی اعتراضات ہوئے تھے لیکن انھوں نے جوابِ شکوہ تحریر کر ڈالی اور بات ٹھنڈی کر دی۔ حیدر بخش جتوئی نے جواب نہیں تحریر کیا جس کی وجہ سے انھیں کافی سخت اعتراضات کا سامنا کرنا پڑا۔

برائے نمونہ چند اشعار (شکوہ)

علامہ اقبالؒ

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر — خوگرِ پیکرِ محسوس تھی انساں کی نظر
کہیں مسجود تھے پتھر، کہیں معبود شجر! — مانتا پھر کوئی اَن دیکھے خدا کو کیوں کر؟

تجھ کو معلوم ہے لیتا تھا کوئی نام ترا؟
قوتِ بازوئے مسلم نے کیا کام ترا!

یہ شکایت نہیں، ہیں اُن کے خزانے معمور — قہر تو یہ ہے کہ کافر کو ملیں حور و قصور
نہیں محفل میں جنھیں بات بھی کرنے کا شعور — اور بے چارے مسلماں کو فقط وعدۂ حور!

اب وہ الطاف نہیں ہم پہ عنایات نہیں
بات یہ کیا ہے کہ پہلی سی مدارات نہیں؟

مثال حیدر بخش جتوئی (شکوہ)

تڏهن حڪمت نہ هئي توءِ جهالت نہ هئي
چاتي نون قادر هئين ڪاٿي بہ قدرت نہ هئي
توءِ جذبو نہ هو جنبش نہ هئي حرڪت نہ هئي
قهر ءِ رحم نہ هئوتن جي ضرورت نہ هئي

تنهنجو هو عشق عدم سان پيو ڪو معشوق نہ هو
تون نہ خالق هئين تنهن وقت ڪو مخلوق نہ هو

تنهن جا ڪافر تا مزا ڪن تہ غيرت ڏيڪار
تنهن جا طالب ٿا سهن درد محبت ڏيڪار
تنهن جا سالڪ ٿا مرن اج ۾ رحمت ڏيڪار
دوستي دشمني پنهنجو تفاوت ڏيڪار

چو طرف ڪان ٿا چون يا خدا صد ها ماڻهو
اهڙي الله ڪان ائين ئي چڱو آ ماڻهو

ترجمہ (شکوہ) حیدر بخش جتوئی

تب حکمت نہ تھی تجھ میں جہالت نہ تھی — کس چیز پر قادر تھا تو؟ کہیں پر بھی قدرت نہ تھی
تجھ میں جذبہ نہ تھا جنبش نہ تھی حرکت نہ تھی — قہر و رحم نہ تھا ان کی ضرورت نہ تھی

تمھارا عشق تھا عدم سے دوم معشوق نہ تھا
تو نہ تھا خالق جس وقت کوئی مخلوق نہ تھی

تیرے کافر ہیں مزے میں اب غیرت دکھا　　تیرے طالب ہیں پُر درد محبت دکھا
تیرے سالک مر رہے ہیں پیاسے رحمت دکھا　　دوستی و دشمنی میں اپنا تفاوت دکھا

چاروں طرف سے کہہ رہے ہیں یا خدا صدہا آدمی
ایسے خدا سے یونہی، اچھا ہے آدمی

شیخ ایاز ۲۳/ مارچ ۱۹۲۳ء شکارپور سندھ میں پیدا ہوئے۔ سندھی زبان کے نامور شاعر جنھوں نے تقریباً تمام اصناف پر طبع آزمائی کی ہے، بنیادی طور پر وائی، کافی، گیت اور بیت کے شاعر تھے۔ بیسویں صدی میں اتنی شہرت کسی بھی سندھی شاعر کو حاصل نہیں ہوئی جو شیخ ایاز کے حصے میں آئی ہے۔ آپ کلامِ اقبال سے کتنی محبت کرتے تھے، آیئے اُن ہی کی زبانی سنیے۔ آپ ساہیوال جیل ڈائری کے صفحے ۵۸ پر اپنے دوست نعیم صدیقی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(ترجمہ) ''ہم جب شکارپور کالج میں پڑھتے تھے تب روز شام کو ملتے تھے اور ایک دوسرے کو اپنے لئے تحریر شدہ اشعار سناتے تھے۔ اس وقت ہمارا مرغوب مطالعہ اردو فارسی شاعری ہوا کرتی تھی۔ مجھے نہ صرف غالب کا مکمل دیوان عمر خیام کی تمام رُباعیاں، حافظ کی کئی غزلیں، علامہ اقبال کی بانگِ درا، بالِ جبریل اور پیامِ مشرق یاد ہوتے تھے۔''

اس کے علاوہ سندھ میں علامہ اقبال کے پیغام کو سمجھنے اور پسند کرنے کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۱۵ء میں مرزا قلیچ بیگ نے ''چین وعرب ہمارا'' کا سندھی میں ترجمہ کر کے اسے ''اسلامی ترانو'' کے نام سے شایع کروایا تھا، اس زمانے سے لے کر آج تک علامہ اقبال کے تراجم کا سلسلہ مسلسل جاری ہے۔ جہاں تک تحقیقی مقالات و مضامین کا تعلق ہے تو سندھی تحقیقی جرنل، رسائل، اخبارات میں مستقل علامہ اقبال کی شخصیت اور فن پر آج بھی سندھی زبان میں لکھا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں قارئین کے اندازے کے لیے صرف ایک سندھی رسالے ماہنامہ ''نئیں زندگی'' حیدرآباد کو بطورِ نمونہ پیش کروں گا، صرف اس رسالے میں ۱۹۵۰ء سے ۱۹۹۶ء تک علامہ اقبالؒ کی شخصیت و کلام پر ۱۱۲ مضامین شایع ہو چکے ہیں جب کہ اس ہی ماہنامے میں

کلام اقبال کے شعری تراجم اس کے علاوہ ہیں۔ حاصلِ مقصد یہ ہے کہ جس طرح سندھ کے نامور شعراء کا کلام سندھ میں دلچسپی سے پڑھا، سمجھا اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے بالکل اسی دلچسپی سے علامہ اقبال کا کلام بھی سندھ کے عوام، علماء اور ادبی حلقے میں پڑھا، سمجھا اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔